صحیح نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو عباس اور حضور بھی کندھے پر پتھر رکھ کر لا رہے تھے عباس نے آپ کا تہبند اتار کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا تا کہ پتھر کندھے میں نہ چبھے۔ آپ بے لباس ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور ہوش میں آ کر فرمایا میرا تہبند، میرا تہبند، یہ اعلان نبوت سے پانچ سال کا واقعہ ہے اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۵ سال تھی، ہم نے اس جگہ بھی لکھا تھا یہ حدیث معلل ہے اور درایۃً صحیح نہیں ہے، کسی عمر کے بچے کے متعلق تو یہ بات متصور ہو سکتی ہے کہ اپنا تہبند کندھے پر رکھ لے، لیکن ۳۵ سال کے مرد کے لیے یہ قرین قیاس نہیں ہے اور اس عمر میں رسول اللہ ﷺ کا بے لباس ہو جانا ہمارے نزدیک لائق قبول نہیں ہے اور یہ ناموس رسالت کے منافی ہے اور ہر ایسی حدیث لائق قبول نہیں ہے۔ اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ تاویل یہ ہو سکتی ہے جو علامہ ابو بکر حصاص نے کی ہے کہ یہودیوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر جادو کرایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبہ کو ناکام کر دیا اور آپ پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور جن احادیث میں یہ جملے مذکور ہیں کہ آپ کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے یہ بات کہہ دی ہے حالانکہ آپ نے نہیں کہی تھی یا آپ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ نے یہ کام کر لیا ہے اور آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا اسی طرح اور دوسری خرافات بیان کیں ہیں یہ سب کسی بے دین راوی کا اضافہ ہے اور حضرت ام المومنین پر بہتان ہے، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے اور اس سال رسول اللہ ﷺ نے تبلیغی، تعلیمی اور فتوحات کے اعتبار سے بہت مصروف سال گزارا ہے اگر جادو کے اثر سے آپ کے حواس اور قویٰ ایک سال تک معطل رہے ہوتے تو اس سال یہ تمام کام کس طرح انجام دیے جا سکتے تھے، حدیث کی صحت کی تحقیق کرنے میں امام بخاری اور امام مسلم کی شخصیت مسلم ہے لیکن وہ بہر حال انسان ہیں نبی یا فرشتے نہیں ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ راویوں کی چھان پھٹک میں بعض اوقات ان سے کوئی سہو ہو گیا ہو، اور کسی ایک آدھ جگہ سہو ہو جانے سے ان کی عظمت اور مہارت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

...........................☆☆...........................





# آسمان کے برجوں کا بیان اور رجم شیاطین کی تحقیق

سر سید احمد خانؒ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

ولقد جعلنا فی السماء بروجا و زینها للنظرین وحفظنها من کل شیطن رجیم الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین۔

یعنی اور بیشک ہم نے پیدا کیے ہیں آسمانوں میں برج ان کو خوش نما کیا ہے دیکھنے والوں کے لیے اور ہم نے ان کو محفوظ رکھا ہے ہر ایک شیطان رانده گئے سے۔ مگر جس نے چرایا سننے کو یعنی کوئی بات معلوم کر لی تو پیچھے پڑتا ہے اس کو شعلہ روشن۔

بروج صیغہ جمع کا ہے اور برج اسکا واحد ہے۔ برج کے معنی اس شے کے ہیں جو ظاہر او راپنے ہم شکل چیزوں سے ممتاز ہو عمارت کا وہ حصہ جو ایک خاص صورت پر بنایا جاتا ہے گو وہ جزو اس عمارت کا ہوتا ہے مگر عمارت کے اور جزوں سے ممتاز اور نمایاں ہوتا ہے اس کو برج کہتے ہیں۔

اھل ھیئت نے جب ستاروں پر غور کی اور ان کو دیکھا کہ کچھ ستارے ایسی طرح پر متصل واقع ہوئے ہیں کہ باوجود کہ وہ اوروں سے بڑے اور اوروں سے کچھ زیادہ روشن نہیں ہیں مگر ایک خاص طرح پر واقع ہونے سے وہ اور سب سے علیحدہ دکھائی دیتے ہیں اور نمایاں ہیں۔ پھر ان کے نمایاں ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے دیکھا کہ سورج دولابی چال پر چلتا ہوا نہیں معلوم بلکہ حمائلی طور پر چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور یہ اس کا چلن انہیں ستاروں کے نیچے

پیچ معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے وہ ستارے اور ستاروں سے زیادہ ممتاز و نمایاں ہو گئے۔

اس کے بعد اہل ھیئت نے دیکھا کہ اس طرح پر اور ایسے موقع سے جو اوروں سے ممتاز ہوں متعدد مجمعے ستاروں کے واقع ہیں مگر ان میں بارہ مجمعوں کو اسطرح پایا کہ وہ ایسی ترتیب سے واقع ہیں کہ اگر ان سب پر ایک دائرہ فرض کیا جائے تو کرہ پر دائرہ عظیمہ ہو گا۔ پھر ان کو سورج بھی اس طرح پر چلتا ہوا دکھائی دیا اور اسی طرح پر سورج کے چلنے سے اختلاف فصول ان کو تحقق ہوا ۔پس انہوں نے ان ستاروں کے بارہ مجمعوں کی تعداد کے موافق آسمان کے بارہ مساوی حصے فرض کیے اور ہر ایک حصہ ان ستاروں کے ایک ایک مجمعے کے لیے قرار دیا اور ہر حصہ کا نام برج رکھا کیوں کہ اپنے ستاروں کے خاص مجمع سے وہ علیحدہ ممتاز اور نمایاں تھا۔

اس کے بعد اہل ھیئت نے چاہا کہ ہر ایک برج کے جدے جدے نام رکھے جائیں تا کہ اس نام سے اس حصے اور ستاروں کے مجمع کو بتا سکیں انہوں نے خیال کیا کہ اگر ان ستاروں کے مجمع میں سے جو ستارے کناروں پر واقع ہیں اگر ان کو خطوط سے ملا ہوا فرض کریں تو کیا صورت پیدا ہوتی ہے اس طرح خیال کرنے سے کسی کی صورت انسان کی بن گئی کسی کی کسی جانور کی وغیرہ وغیرہ اس لیے انھی ناموں سے انھوں نے اس حصے کو اور اس مجمع ستاروں کو موسوم کیا اور انکے یہ نام قرار دیے:

حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

غالباً یہ تحقیق اولاً مصریوں نے کی ہو گی جن کا آسمان ہمیشہ ابر وغیرہ سے صاف رہتا تھا اور ہمیشہ ان کو ستاروں کے دیکھنے کا اور ان کو پہچاننے کا بخوبی موقع ملتا تھا۔ مگر یہ نام اور یہ تقسیم تمام قوموں میں اور بہت قدیم زمانہ کے عرب جاھلیت میں عام ہو گئے تھے اور آسمان کے اس حصہ کو برج سے اور اسکے کل حصوں کو جو تعداد میں بارہ تھے بروج سے نامزد کرتے تھے اسی کی نسبت خدا نے فرمایا

ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناھا للناظرین۔

مفسرین نے بروجا کی تفسیر قصورا سے لی ہے بلاشبہ یہ ان کا قصور ہے خدا نے تو ہم یہ و . . ج کہا ہے۔ جس کو اہل عرب بلکہ تمام قومیں بروج سمجھتی تھیں اور نہایت نادانی ہے اگر ان بروج کی نسبت سورہ نساء کی یہ آیت پیش کی جاوے کہ۔ اینما تکونوا یدرککم





الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ اس کے بعد کی آیت یہ ہے کہ او حفظنا ھا من کل شیطان رجیم۔

اس آیت کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم نے اس کو یعنی آسمان کو یا ان کو یعنی برجوں کو محفوظ رکھا شیطان پھٹکارے گئے سے اور سورہ صافات میں اسی کی مانند ایک آیت ہے کہ۔

انا زینا السماء الدنیا بزینۃ ن الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد (۳۷۔صافات ۶،۷)

جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے خوش نما کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوش نمائی سے اور محفوظ کیا ہر شیطان سرکش سے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے حفظا کو جو سورہ صافات میں ہے مفعول لہ قرار دیا ہے۔ زینا کا اور اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "واسطے حفاظت کے ہر شیطان سرکش سے" جس کا یہ مطلب ہے کہ ستاروں سے آسمان جو محفوظ کیا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اور ابن عباس کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے اسمیں حفظا کی تفسیر کی ہے کہ "حفظت بالنجوم" یعنی میں نے آسمان کی ستاروں سے اس تفسیر سے بھی حفظا کے پہلے واو عاطفہ ہے اور عطف جملہ کا جملہ پر ہے مگر باوجود موجود ہونے واو کے "حفظا" کو مفعول قرار دینا درحال کہ اس کے ماقبل کوئی مفعول لہ جس پر اس کا عطف ہو سکے نہیں ہے۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ پس صاف بات ہے کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور بقرینہ علیحدہ ہونے جملہ کے حفظا مفعول ہے۔ فعل محذوف حفظنا کا۔ پس شاہ ولی اللہ صاحب نے جو فارسی ترجمہ کیا ہے وہ صحیح ہے کہ "ونگاہ داشتیم از ہر شیطان سرکش" مگر انہوں نے اس۔ کہ مفعول کو ظاہر نہیں کیا کہ "کسی نگاہ داشتیم۔ پس اگر اس کا مفعول بنا دیا جائے تو مطلب صاف ہو جاتا ہے ۔یعنی ونگاہ داشتیم آسمان را یا کواکب را مگر جب ہم قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کریں تو صاف یہ تفسیر ہوتی ہے کہ خدا تعالی نے سورۃ حجر کی آیت میں صاف فرمایا ہے کہ "وحفظنا ھا" پس سورہ صافات میں جو الفاظ حفظا آئے ہیں ان کی تفسیر اسی کی مطابق یہ ہے کہ وحفظنا ھا حفظا من کل شیطان مارد ۔یعنی ہم نے آسمان یا ستاروں کو ہر طرح کی حفاظت میں شیطان سرکش سے محفوظ رکھا ہے۔

سورہ ملک میں جو خدا نے یہ فرمایا کہ "وزینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنا ھا رجوما للشیاطین"۔ رجوما کے معنی مارنے یا پتھر مارنے کے اور شیاطین سے جن یا اور کو

ئی وجود غیر مرئی سمجھتا رجماً بالغیب بات کہنی ہے صاف بات یہ ہے کہ شیاطین شیاطین الانس مراد ہیں اور رجوما سے ان شیاطین کا رجماً بالغیب یعنی ان کی اٹکل پچو باتیں بتانا مراد ہے چناں چہ مفسرین نے بھی کہا ہے کہ شیاطین سے مراد شیاطین الانس ہیں جو کہتے تھے کہ ہم کو آسمانی چیزیں مل جاتی ہیں اور ستاروں کے حساب سے ان کو سعد ونحس ٹھیرا کر پیشن گوئی کرتے تھے۔

تفسیر کبیر میں بھی اسی کے مطابق ایک قول نقل کیا ہے کہ:

رجوما للشیاطین ای انا جعلنا ھا ظنونا ورجوما للغیب لشیاطین الانس وھم الاحکامیون من المنجمین۔

(تفسیر کبیر متعلق سورۃ الملک صفحہ ۳۲۰)

یعنی ہم نے آسمان کے ستاروں کو ایک ظن اور غیب کی اٹکل پچو بات کہنے کو آدمیوں کے شیطانوں کے لیے بنایا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو نجوم سے احکام بتاتے ہیں۔

پس خدا تعالیٰ کے اس کلام "وحفظنا ھا من کل شیطان رجیم وحفظا من کل شیطان مارد" کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آسمان کے برجوں کو یا آسمان کے ستاروں کو شیاطین الانس سے محفوظ رکھا ہے اور اسی لیے وہ ان سے کوئی سچی یا صحیح پیشین گوئی حاصل نہیں کر سکتے بجز ظن اور رجماً للغیب کے۔

یا اعتقاد جو کفار عرب کا تھا کہ:

لا یسمعون الی الملاء الاعلی ویقذفون من کل جانب وحورا ولھم عذاب واصب الا من خطف الخطفۃ فاتبعہ شھاب ثاقب۔(۳۷صفات ۸،۹،۱۰)

یعنی جن آسمان پر جا کر ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں۔ اور کاہنوں کو خبر کر دیتے ہیں اس کی نفی خدا نے سورہ صافات میں فرمائی ہے جہاں کہا ہے نہیں سن سکتے ہیں ملاء اعلیٰ کو اور ڈالا جاتا ہے ان پر شہاب ہر طرف سے۔ مردود ہونے کو مگر جس نے اُچک لیا اسکے پیچھے پڑتا ہے شہاب روشن اور اس صورت میں فرمایا ہے الا من استرق السمع فاتبعہ شھاب مبین۔ یعنی ہم نے محفوظ کیا ہے آسمان کے برجوں کو ہر ایک شیطان رجیم سے مگر جو چرا لیوے سننے کو پھر پیچھے پڑتا ہے اس کے شہاب روشن۔ اس آیت کے مطلب میں اور سورہ صافات کی آیت کے مطلب میں کچھ





فرق نہیں ہے سورہ صافات میں آیا ہے خطف الخطفۃ یعنی اچک لیا۔ اچک لینا اور یہ نہیں بتایا کہ کیا اچکا اس سے سمع کا اچک لینا تو نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کی نفی کی گئی ہے۔ نہایت شدت سے سمع کا سین اور میم کو مشدد کر کے پس کسی اور امر کا اچک لینا سوائے سمع کے مراد ہے

مگر سورہ حجر میں استراق سمع بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس جگہ لفظ سمع کا کفار کے خیال کی مناسبت سے بولا گیا ہے نہ حقیقی معنوں میں اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ مثلاً لوگ کسی کی نسبت کہیں کہ فلاں شخص بادشاہ کے دربار کی باتیں سن سن کر لوگوں کو بتا دیا کرتا ہے اسکے جواب میں کہا جاوے کہ نہیں وہ بادشاہ کے دربار کب تک پہنچ سکتا ہے یوں ہی ادھر ادھر سے کوئی بات اڑا لیتا ہے یا سن لیتا ہے تو اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شخص درحقیقت دربار کی باتیں سن لیتا ہے اسی طرح ان دونوں آیتوں میں الفاظ خطف الخطفۃ اور استراق السمع کے واقع ہوئے ہیں جو کسی طرح واقعی سننے پر دلالت نہیں کرتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ سمع سے بتاکید نفی آئی ہے بات یہ ہے کہ کفار پیشین گوئی کرنے کے دو حیلے کرتے تھے ایک یہ کہ جن ملاء اعلیٰ کی باتوں کو سن کر ان کی خبر کر دیتے ہیں دوسرے ستاروں کی حرکت اور ہبوط عروج اور منازل بروج اور کواکب کے سعد ونحس ہونے احکام دیتے تھے وہ سب غلط اور جھوٹ تھے مگر بعض سچ بھی ہوتے تھے مثلاً کسوف وخسوف کی پیشین گوئی یا کواکب کے اقتران اور ہبوط وعروج کی پیشین گوئی اسی امر کو جو درحقیقت ایک حسابی امر مطابق علم ہیئت کے ہے خدا تعالیٰ نے دو جگہ ایک جگہ بلفظ استراق السمع اور دوسری جگہ بلفظ خطف الخطفۃ سے تعبیر کیا ہے اور اسی کے ساتھ فاتبعہ شہاب ثاقب سے اس سے زیادہ کی پیشین گوئی کو معدوم کر دیا ہے۔

فاتبعہ شہاب مبین۔ شہاب کے معنی ہیں شعلہ آتش کے اور اس انگارے کو جو بھڑکتا ہوا ہو اس کو خدا نے شہاب مبین سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورہ نحل میں بیان ہوا ہے۔

شہاب یا شہاب ثاقب یا شہاب مبین کا اس آتشی شعلہ پر اطلاق ہوتا ہے جو کائنات الجو میں اسباب طبعی سے پیدا ہوتا ہے اور جو کسی جہت میں دور تک چلا جاتا ہے اور جس کو اردو زبان میں تارہ ٹوٹنا بولتے ہیں۔

اب یہ بات دیکھنی چاہیے کہ عرب جاہلیت میں تاروں کے ٹوٹنے سے یعنی جبکہ کائنات الجو میں کثرت سے شہاب ظاہر ہوتے تھے تو ان سے کیا فال لیتے تھے یا کس بات کی

پیشین گوئی کرتے تھے کچھ شبہ نہیں کہ وہ اسے بدفالی اور کسی حادثہ عظیم کے واقع ہونے کا یقین ہونے کا یقین کرتے تھے جس طرح کہ تطیر سے بدفالی سمجھتے تھے۔

تفسیر کبیر میں زھری سے روایت لکھی ہے کہ چند آدمی رسول خدا کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا آنحضرت نے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں انہیں کیا کہتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ کوئی بڑا شخص مرجاوے گا یا حادثہ عظیم پیدا ہوگا۔ غرض کہ اسکو زمانہ جاہلیت میں فال بد یا شگون بد سمجھتے تھے اس زمانہ کے لوگ کثرت سے تاروں کے ٹوٹنے کو شگون بد سمجھتے ہیں اس شیاطین الانس کے اعتقاد کی ناکامی کو ان کے کسی شگون بد سے تعبیر کرنے کے لیے خدا نے فرمایا کہ فاتبعہ شہاب ثاقب جو نہایت ہی فصیح استعارہ ہے نجمین کے وبال سے بیان کرنے کو اور جس کا مقصود یہ ہے کہ فاتبعهم الشوم والخسران والحرمان فيما املوا۔

سورہ جن میں انا لمسنا السماء کا لفظ ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مس سے اشارہ طلب کیا جاتا ہے اور یہ قول نجمین کا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ہم نے دھونڈھا آسمان کو اس کو پایا بھرا ہوا حفاظ یعنی موانع شدید اور شہب یعنی وبال سے جن کے سبب ہم اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرسکتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم ملاء اعلیٰ کی باتوں کے سننے یعنی دریافت کرنے کو بیٹھتے تھے مگر اب قرآن سننے کے بعد اس کے لیے جو کوئی سنے یعنی دریافت کرنا چاہے ہم اس کے لیے شہاب یعنی وبال متعین پاتے ہیں پس ان تمام امور کو اجنبہ مظنونہ اور جزعومہ سے منسوب کرنا جن کا وجود بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے کس قدر بے انکل اور رجما بالغیب بات ہے۔ فقد بر۔۔۔۔

☆☆





# ایڈز .... دورِ جدید کا عظیم انسانی المیہ

محمد عارف خان ساقی

استاذ شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے شرف و بزرگی سے اور کرامت سے سرفراز فرمایا ہے [1] انسانی حرمت و تقدس کا خود رب ذوالجلال کو پاس ہے اور پاس رکھنے والوں کو وہ محبوب رکھتا ہے۔ دوسری طرف طاغوتی طاقتیں انسان کو حیوانیت کی سطح تک گرادینے اور اس کی عظمت و تقدس کو پامال کرنے کے لئے اس کو بے راہ روی کا عادی بنانے پر اپنا زور اور تمام تر توانائیاں صرف کر رہی ہیں۔ مگر بھلے سے ان کے پاس منطقی دلیلوں کے انبار ہوں، آئینی، قانونی، سماجی اور مذہبی اداروں سے سند جواز بھی حاصل کر چکے ہوں، مگر من حیث القوم اس گھناؤنی حرکت کو قبول کرنے اور رائج کردینے کا انجام بخیر نہیں ہوسکتا۔ کبھی ایسے موقعوں پر خدا کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آجاتی ہے اور ان سرکشوں کا سر کچل ڈالتی ہے۔ نئی زمانہ ایڈز وہی بے آواز لاٹھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا جرم تھا جس نے اب کی بار خدا کی اس لاٹھی کو متحرک کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ " جنسی بے راہ روی "۔ اہل مغرب، جب کلیسا سے آزاد ہوئے تو گویا ہر چیز سے آزاد ہوگئے۔ مادر پدر آزاد۔ جنسی معاملات میں آزاد، ہم جنس پرستی میں آزاد۔ یہی نہیں بلکہ عریانیت ان کے یہاں ایک قیمتی صنعت کا درجہ حاصل کرگئی۔ یہیں پیدا ہوئی پھلی پھولی اور پھر یہ بھی آزاد ہو کر ملکوں ملکوں پھری۔ اور نوخیز بچوں کو اس نے قبل از وقت بالغ ہی نہیں جنس پرستی کی طرف راغب بھی کردیا۔ کیبلو جیت ورک کی جادوکاریاں اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

و الله يريد ان يتوب عليكم قف و يريد الذين يتبعون الشهوات ان تميلوا ميلا عظيما (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور شہوت کے رسیا چاہتے ہیں کہ تم اسی شہوت کے

ہی ہو کے رہ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ ڈھیل ضرور دیتا ہے مگر جب پکڑ کرنے پر آتا ہے تو پناہ بھی کہیں نہیں ملتی۔ اس کا ارشاد ہے:

إن بطش ربک لشدید (۳)

ترجمہ: یقیناً تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

پچھلی امتیں تو اس پکڑ سے خوب واقف تھیں۔ ان کا اجتماعی معاشرتی ضمیر جب بھی حدود اللہ سے تجاوز کرنے پر آمادہ ہوا، جب بھی ان کے دماغوں میں رشد و ہدایت کے الہامی ضابطوں سے بے زاری کا سودا سمایا، شرفِ انسانی کے خلاف بہیمانہ جرائم کو جب بھی انہوں نے قومی شناخت بنایا، یہ لاٹھی حرکت میں آگئی۔ پھر سارے کس بل نکل جاتے یا صفحۂ ہستی سے ہی نابود ہو جاتے۔ طاعون کی وبا بھی سابقہ امتوں پر عذاب بن کر مسلط ہوتی رہی۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ان ھذا الطاعون رجز سلط علی من کان قبلکم (۴)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ طاعون ایک عذاب ہے جو تم سے پہلے لوگوں پر مسلط کیا گیا تھا۔

اسی کی دہائی میں اللہ کی یہ بے آواز لاٹھی ایک بار پھر حرکت میں آئی اور دنیا بھر میں اسکی دھمک محسوس کی گئی۔ اب کی بار ایچ آئی وی یا ایڈز کی صورت میں یہ لاٹھی حرکت میں ہے۔ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام، اسلام آباد، کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں:

ایچ آئی وی کا مطلب ہے: ''انسانی قوت مدافعت میں کمی کا وائرس'' یہ ایک ایسا وائرس ہے جو جسم کے مدافعتی نظام پر حملہ کرتا ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایچ آئی وی جسم کو اس حد تک کمزور کر دیتا ہے کہ معمولی بیماری کے خلاف بھی مدافعت کی سکت نہیں رہتی۔ اور آخرکار متاثرہ شخص میں بیماری کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کیفیت کو ''ایڈز'' کہتے ہیں۔ ایڈز کا مطلب ہے ''مدافعتی نظام میں کمی کی علامات'' جب کوئی شخص ایڈز کا شکار ہو جائے تو کوئی بھی بیماری اس پر آسانی سے حملہ آور ہو کر موت کا سبب بن سکتی ہے۔ (۵)

اب تک کروڑوں کی تعداد میں لوگ اس لاٹھی کی زد میں آکر لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ ان گنت افراد اس سے متاثر ہیں۔ جبکہ روزانہ کم و بیش ہزاروں افراد اس کی زد میں آکر گھائل ہونے والوں میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ اس قدر موذی اور خطرناک مرض ہے کہ بارہ برس تک متاثرہ شخص کو نہ تو خود کسی طرح اس کے حملے کا ادراک ہو پاتا ہے نہ ہی کسی اور ذریعے سے اس کے متاثرہ ہونے کا پتہ چلایا جا





سکتا ہے۔ یہ اس کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں کی محض ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ورنہ اس کی روک تھام کے لئے سرگرم افراد اور اداروں کے بیان کردہ حقائق اس قدر روح فرسا ہیں کہ گنواتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے ہماری عبرت اور نصیحت کی خاطر کئی مقامات پہ قوم لوط کی بداعمالیوں اور اس کے ہولناک انجام کا ذکر کیا ہے۔ انفرادی اور خفیہ عمل ہونے کے لحاظ سے تو یہ جرم اور بھی قدیم ہو سکتا ہے مگر دیدہ دلیری کے ساتھ اجتماعی اور اعلانیہ طور پر قوم لوط نے ہی پہلی بار اس جرم کا ارتکاب کیا تھا:

ولوطا اذ قال لقومہ اتاتون الفاحشۃ ما سبقکم بھا من احد من العلمین ، انکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون ، وما کان جواب قومہ الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون (۶)

ترجمہ: اور یاد کیجئے لوط علیہ السلام کو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تم شہوت رانی کی ایسی علت میں مبتلا ہو گئے ہو کہ جہاں میں تم سے پہلے کسی اور نے بھی ایسا نہ کیا تھا۔ تم عورتوں کے بجائے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو یقینی طور پر تم ساری حدیں پار کر چکے ہو۔ آپ علیہ السلام کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے ان کو اپنے علاقے سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پارسا بنے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہادی نے ان کو اس بدعملی سے بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ اور جب آپ علیہ السلام کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آنے پر آمادہ نہ ہوئے تو خدا کی پکڑ میں آگئے:

فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھا حجارۃ من سجیل منضود (۷)

ترجمہ: پھر جب ہمارا حکم آپہنچا، ہم نے اس بستی کو ہی تہ و بالا کر دیا اور ان پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔

دنیا کے ہر مہذب ملک اور معاشرے نے ہمیشہ بدکاری اور لواطت کو انسانیت کے خلاف بدترین اور گھناؤنا جرم ہی تصور کیا ہے۔ دین اسلام کا بھی اپنے ماننے والوں سے یہی تقاضا اور مطالبہ ہے کہ اس قابل نفرت سماجی بیماری اور برائی کے نہ صرف یہ کہ خود قریب نہ جائیں بلکہ اس کے خاتمے کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی اس نوع کی بدعملی کے ہولناک انجام کا بڑا جامع نقشہ پیش کیا ہے۔ یہ عبرت دلانا مقصود ہے کہ جب

کبھی بھی انسان نے بغاوت و سرکشی کی روش اپنائی اور اس برائی کے فروغ و حمایت پر کمر بستہ ہوا تو اس جرم کی پاداش میں قادر مطلق نے اپنے کارخانۂ قدرت میں ڈھلے ہوئے تہ بہ تہ بم برسا کر وہ بستیاں کی بستیاں جاہ و برباد اور تہس نہس کر دیں کہ جہاں اس فعل بد کا بیج بویا گیا تھا۔

زنا کاری کو قرآن مجید نے بہت بیہودہ حرکت اور برا راستہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تقربوا الزنیٰ انه كان فاحشة ط وساء سبيلا (۸)

ترجمہ: زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بہت بیہودہ حرکت اور برا راستہ ہے۔

جبکہ لواطت اور ہم جنس پرستی اس کے مقابلے میں بھی بدترین بد جا ہری اور بیہودہ حرکت اور ایک غیر فطری عمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار دہرا کر اور زور دے کر فرمایا:

ملعون من عمل عمل قوم لوط (۹)

ترجمہ: ملعون ہے وہ جو قوم لوط والا عمل یعنی ہم جنس پرستی کرے۔

اسلام کے آنے کے بعد مردوں میں ہم جنس پرستی کا پہلا قضیہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ریکارڈ پر آیا۔ حضرت خالد بن ولید، مضافات عرب میں کسی جگہ جہاد میں مصروف تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ اس علاقے میں کوئی ایسا مرد بھی ہے جس کے ساتھ مرد حضرات اسی طرح شادیاں رچاتے ہیں جس طرح عورتوں سے شادی کی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں جو نئی فتوحات کے نتیجے میں زیر نگیں آئے تھے، ابھی اسلام کی روشنی پوری طرح نہیں سے پہنچی تھی لہٰذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں حکم شرع دریافت کرنے کے لئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشورے کے لئے طلب فرمایا اور صحابہ کرام کی مشاورت سے اس گھناؤنی حرکت کی سزا کا تعین ہوا۔ علامہ بیہقی سنن کبریٰ میں روایت کرتے ہیں:

ان خالدا كتب الىٰ ابى بكر الصديق رضى الله عنهما فى خلافته يذكر له انه وجد رجلا فى بعض نواحى العرب ينكح كما تنكح المرأة وان ابا بكر رضى الله عنه جمع الناس من اصحاب رسول الله ﷺ فسألهم عن ذلك ،فكان من اشدهم يومئذ قولا على بن ابى طالب رضى الله عنه ،قال ان هذا الذنب لم تعص به امة من الامم الا امة واحدة صنع الله بها ما قد علمتم ، نرىٰ ان تحرقه بالنار ،فاجتمع رأى اصحاب رسول الله ﷺ علىٰ ان يحرقه بالنار . فكتب ابو بكر رضى الله عنه الىٰ خالد بن





وليد يأمره ان يحرقه بالنار. (۱۰)

ترجمہ: کہ عہد صدیقی میں حضرت خالد بن ولید نے آپ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ مضافات عرب میں ایک جگہ انہیں ایک ایسا مرد نظر آیا ہے جس سے اسی طرح نکاح کیا جاتا ہے جیسے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں کو جمع کیا اور اس معاملے میں رائے دریافت فرمائی۔ اس روز سخت ترین موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ امم سابقہ میں سے بس ایک ہی امت نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ فرمایا آپ سب کو معلوم ہو چکا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس شخص کو آگ میں جلا ڈالیں۔ دیگر صحابہ کرام نے بھی متفقہ طور پر کہا کہ آپ اسے آگ میں جلا دیں۔ بعد ازاں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کو لکھ بھیجا کہ اسے آگ میں جلا دو۔

سنن کبریٰ میں علامہ بیہقی نے ایک اور روایت بھی نقل فرمائی ہے:

قال ابو نضرة :سئل ابن عباس ما حد اللوطى ؟ قال :ينظر اعلىٰ بناء فى القرية فيرمىٰ به منكسا ثم يتبع الحجارة (۱۱)

ترجمہ: حضرت ابو نضرۃ فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے سوال کیا گیا: لواطت کے مرتکب پر کیا حد جاری ہوگی؟ آپ رضی اللہ عنھما نے فرمایا: بستی میں بلند ترین مقام دیکھا جائے، پھر وہاں سے اس کو اوندھے منہ نیچے گرایا جائے اور پیچھے سے پتھر لڑھکائے جائیں۔

سزا کے عمل میں اس اختلاف پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان الصحابة قد اختلفوا فى موجبه فمنهم من اوجب التحريق بالنار ومنهم من قال يهدم عليه الجدار ومنهم من قال ينكس من مكان مرتفع مع اتباع الاحجار. (۱۲)

ترجمہ: کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین اختلاف ہے کہ اس پر کون سی سزا لازم ہوگی۔ کچھ نے آگ میں جلانے کو لازم جانا ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اس پر دیوار گرا دی جائے گی۔ اور کچھ کا کہنا ہے کہ بلند ترین مقام سے اسے نیچے گرایا جائے اور پیچھے سے پتھر لڑھکائے جائیں۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے جرم لواطت کی سنگینی پر روشنی ڈالتے ہوئے البحر الرائق کے حوالے سے لکھا ہے:

حرمتها اشد من الزنا لحرمتها عقلا وشرعا و طبعا (۱۳)